Subject:	**Urdu**
Module:	**19**
Paper:	**GAZAL**
Topic:	**Inshaullah Khan Insha**
Content writer:	**Prof.Khwaja Md Ekramuddin**
	Jawaharlal Nehru University, New Delhi
PI:	**Professor Mazhar Mehdi Hussain**
	Jawaharlal Nehru University, New Delhi

انشاء اللہ خاں انشا

01۔تعارف/تمہید (Introduction)

انشاء اللہ خاں انشا 1756 کے اردگرد مرشدآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماشاء اللہ خان عہد محمد شاہی میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جاٹوں، مرہٹوں کے بار بار حملوں یا لوٹ مار کی وجہ سے معاشی صورتِ حال ابتر ہوچکی تھی۔ دہلی کا دبدبہ ختم ہوچکا تھا۔ جنوب کے کئی علاقے خودمختار ہوچکے تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ روزگار کا قحط تھا اور جو برسرِروزگار تھے، تنخواہوں سے محروم تھے۔ سودا کا شہر آشوب 'تضحیکِ روزگار' ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں انھوں نے فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کی جو حالتِ زار بیان کی ہے اس میں عبرت کے ہزار پہلو ہیں۔ انھیں حالات کے زیراثر کئی شعرا کو اپنے وطنِ مولود کو خیرباد کہنا پڑا۔

انشا کے والد بھی تلاشِ معاش میں دہلی سے بنگال پہنچے، بنگال سے فیض آباد کی راہ لی، یہ شجاع الدولہ کا دورِ حکومت تھا۔ انشاء اللہ خاں کے عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا۔ انھیں شجاع الدولہ اور پھر آصف الدولہ کی سرپرستی بھی ملی۔ کچھ عرصے بعد دہلی چلے آئے اور شاہ عالم کے دربار میں باریابی حاصل کرلی۔ لیکن شاہ عالم کی بادشاہت برائے نام ہی تھے، غلام قادر روہیلہ نے اس کی آنکھوں میں سلاخیں پھیر کر اندھا کردیا تھا۔ چنانچہ دہلی بھی انھیں راس نہ آئی۔ 18 برس کے بعد بہ حالتِ مجبوری دہلی کو خیرباد کہا اور لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ لکھنؤ میں شہزادہ سلیمان شکوہ جیسے قدر دانِ شعر و فن کی فیاضیوں کا ہر چہار طرف چرچا تھا۔ سلیمان خود بھی شاعر تھا۔ انشا جب لکھنؤ پہنچے مصحفی اور جرأت دربار سے وابستہ تھے اور خاص و عام میں بے حد مقبول تھے۔ اساتذہ کے گروہ تھے۔ معرکوں کا بازار گرم تھا۔ ایک ایسی تہذیب آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مستحکم کررہی تھی جس میں تصنّع، عیش کوشی، لذت اندوزی، تغافل شعاری اور بے اعتدالی اس عہد کے عمومی مذاق کی مظہر بن چکی تھی۔ طنز و ہجو، ضلع جُگت، پھبتی، عیب

جوئی نے روزمرّہ کی صورت اختیار کرلی تھی، انشاء کی ذہانت، علمیت، حاضر جوابی، چرب زبانی ہر کسی کو اپنے سحر میں لے لیتی تھی۔ پہلے سلیمان شکوہ نے اپنے صحبت نشینوں میں انھیں شامل کرلیا۔ جب نواب سعادت علی خاں اودھ کے حکمراں ہوئے تو انھیں اپنی ملازمت میں لے لیا۔ انشا جہاں ہوتے اپنی بذلہ سنجی، ظرافتِ طبع، تیزی و بے باکی کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آتے۔ دربار دیکھتے نہ بازار، انجمن ساز بھی وہی خانہ بربادئ انجمن بھی وہی ہوتے ۔ محفلیں جمتیں اور خوب جمتیں، لیکن انھیں اجڑنے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ حکمرانوں، امیروں اور رئیسوں کے لیے یہ ایک کھیل ایک تماشہ تھا اور یہ تماشہ لکھنوی تہذیب کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا تھا۔ انشا کی طبیعت کے اسی والہانہ پن ا ور غیرمحتاط رویّے کے باعث انھیں داد بھی خوب ملی اور رسوا بھی خوب ہوئے۔ نواب سعادت علی خاں کی مصاحبت میں انھیں کو ‘انجب’ یعنی ایک جانب سے شریف کہنے پر معزول بھی ہونا پڑا اور سچائی بھی یہی تھی کہ سعادت علی خاں شریف الطرفین نہیں تھے۔ بس کیا تھا۔ نواب نے دربار سے نکال باہر کردیا، کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگئے۔ کہتے ہیں ان کے بیٹے کی موت بھی ان کی غیرسنجیدہ طبیعت کے باعث ہوئی اور اسی باعث وہ جنون کی حالت تک پہنچ گئے۔ ان کا کرّ و فر، ان کا سارا طنطنہ ماضی کی چیز بن گیا اور وہ سرتاپا ایک مرقعِ عبرت۔ اسی کسمپرسی کے عالم میں 1817 میں وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

02۔ سبق کا مقصد(Learning Outcome)

انشاء اللہ خاں انشا ایک منفرد شاعر، نثر نگار اور قواعد نویس تھے۔ طنز و ظرافت میں یکتا، بذلہ سنجی میں بے بدل، حاضری جوابی میں بے مثال، کئی زبانوں کے ماہر۔ اپنی غیرمعمولی ذہانت

کے باعث بہت جلد ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ جیسی ان کی شخصیت تھی ویسی ہی ان کی شاعری تھی۔ ان کی شاعری کے کئی رنگ تھے اور ہر رنگ میں وہ باغ و بہار تھے۔ اردو ادب کی تاریخ میں انشا کا ایک اہم مقام ہے۔ ہمارے طلبا درج ذیل معلومات کے حصول کے بعد اس قابل ہوجائیں گے کہ انشا کی غزل کی انفرادیت کے بارے میں ایک بہتر اور جنچی تُلی رائے قائم کرسکیں۔

(i) انشا اور ان کا عہد
(ii) دبستانِ لکھنؤ اور انشا
(iii) انشا کی شخصیت کی رنگارنگی
(iv) انشا کی زبان
(v) انشا کی ادبی شخصیت
(vi) انشا کا داخلی رنگ

03۔ انشا اور ان کا عہد

انشا نے 18 برس دہلی میں گزارے تھے لیکن معاشی تنگ دستی اور سیاسی عدم استحکام نے اُن کا رُخ لکھنؤ کی طرف موڑ دیا۔ دہلی کی مرکزیت ٹوٹ چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا دبدبہ رفع دفع ہوچکا تھا۔ ہر چار طرف افراتفری اور بے یقینی کا عالم تھا۔ امرا میں امیری رہی نہ رئیسوں میں رئیسی اور بادشاہِ وقت بھی ذلّت کی زندگی گزارنے پر مجبور۔ احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں نے دلّی کو تباہ و برباد کردیا تھا۔ میر و سودا جیسے شعر کو دہلی چھوڑ کر لکھنؤ آباد کرنا پڑا۔

مصحفی بھی انھیں میں تھے اور انشا کے لیے بھی دہلی کی سرزمین تنگ ہوتی جارہی تھی۔ بالآخر انھیں بھی لکھنؤ کے لیے سامانِ سفر باندھنا پڑا۔

ایک طرف دہلی جو یک شہر تھا عالم میں انتخاب اپنے حال پر خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ دوسری طرف لکھنؤ میں ہُن کی بارش ہورہی تھی۔ نوابین، امرا اور رئیس زادے دادِ عیش لے رہے تھے۔ مستقبل کے خطرات سے بے پروا ، حال کی رنگ رلیاں، رقص و سرود اور شعر و نغمہ سے معمور انجمنیں، مشاعرے، پتنگ بازی، کبوتربازی، مرغ بازی، فحاشی و بوالہوسی، معرکہ آرائیاں، یک دوسرے کی پگڑی اچھالنا، طنز و تعریض کے تیر پھینکنا، ایک دوسرے کو ذلیل و خوار کرنا اس معاشرے کی تہذیبی زندگی کا سب سے مکروہ پہلو تھا۔ شبیہ الحسن نے لکھنؤ کے اس سماج کو کھوکھلا، کسی بھی فلاحی نظریے اور مستقبل کے کسی بھی بہتر تصور سے عاری قرار دیتے ہوئے ‘سب کے لیے آخرکار آتشِ خدنگ کا ایندھن بننا مقدر ہوچکا تھا۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

”ایک مسموم فضا ہندوستان میں پھیل چکی تھی جس میں اودھ اور یہاں کی دوسری سلطنتوں کو سانس لینا تھا۔ یہاں جو کچھ فارغ البالی اطمینان اور سکون تھا وہ سب مصنوعی اور سطحی ہونے کے ساتھ ساتھ عارضی اور وقتی تھا جس طرح کسی پھانسی پانے والے کی آخری خواہش بالعموم پوری کردی جاتی ہے اسی طرح فرنگی صیادوں نے داد و رسن سے ہم آغوش ہونے والے چند زانیوں کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ گومتی کے کنارے شامِ اودھ کے دھندلکوں میں عیش امروز کی تعب کشی سے اپنے دل کو بہلا

لیں۔ یہ وقتی فارغ البالی اور شکم پُری ایسی ہی تھی جیسے ذبح سے پہلے کسی جانور کو کھُلا چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ کچھ کھاپی لے۔ ان حالات کے زیراثر لکھنؤ میں ایک ماحول موجود ہوگیا تھا جس کے حرکیات (Dynamics) خودکار اور فطری نہیں تھے۔ اس ماحول کے زیراثر جو معاشرت وجود میں آئی تھی وہ مصنوعی غدود کے بل بوتے پر پل رہی تھی۔ ایسی معاشرت اپنے غیرفطری رجحانات کی وجہ سے اچھی طرح پہچانی جاسکتی ہے۔ اس قسم کے سماج کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی سیمابیت، جلدبازی اور خارجیت ہے جس کی تہ میں خواہشات کی کثرت اور فرصت کی کمی سے پیدا شدہ کشمکش ٹھسی ہوئی ہوتی ہے۔ فرصت کی کمی اگرچہ کبھی انسانی فکر و عمل کے لیے مہمیز کا بھی کام دیتی ہے مگر فکر و عمل کی بے دھڑک تیزی کا نتیجہ اچھا کم اور خراب زیادہ اس لیے ہوتا ہے کہ اقدام سے پہلے حالت کا معقول جائزہ لینے کا موقع نہیں ملتا ہے۔

(تنقید و تحلیل:شبیہ الحسن نونہروی، ص 109-110)

امرا، رؤسا، نوابین و نواب زادوں کی چھوٹی بڑی مجلسیں شعر و غنا سے آراستہ ہوتیں، شاعری طنز و تعریض کا نام تھی، شاعر، شاعر کم ہنسوڑ اور بھانڈ زیادہ تھے۔ امرا و نوابین کی خوشنودی، مدح سرائی اور چاپلوسی ان کی مصاحبت و ملازمت کا ایک لازمی حصہ بن گیا تھا۔ بادشاہوں اور نوابوں کے نزدیک شعراکی اپنی شخصیت، انا یا خودداری کے کوئی معنی

نہیں تھے۔ شعر و فنون کی قدردانی ان کے لیے کسی تہذیبی ورثے کے تحفظ کے نہیں بلکہ ان کا مقصود محض تفریح و تفنّن، محض جذباتی آسودگی، محض خود فریبی و وقت گزاری سے زیادہ نہ تھا۔ شاعروں کے درمیان جو معرکے ہوتے تھے، امراء و نواب ان سے بھی لطف لیتے تھے بلکہ شہ بھی دیتے تھے کہ آپسی تنازعے اور طول پکڑیں۔ اکثر مشاعرے یا شعری نشستیں میدانِ جنگ کی شکل اختیار کرلیتی تھیں۔ پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔ دشنام طراز ہوتی تھی۔ نقالی اور تمسخر ہوتا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے شعرا کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔ محمد حسین آزاد نے اس صورتِ حال کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

''قہقہوں کی آوازیں آتی ہیں دیکھنا اہل مشاعرہ آن پہنچے۔ یہ کچھ اور لوگ ہیں ان کا آنا غضب کا آنا ہے۔ یسے زندہ دل اور شوخ طبع ہوں گے کہ جن کی شوخی اور طرارئ طبع بارِ متانت سے ذرا بھی نہ دبے گی۔ اتنا ہنسیں اور ہنسائیں گے کہ منھ تھک جائیں گے۔ انھی کوٹھوں پر کودتے پھاندتے پھریں گے۔ ایک مکان کو دوسرے مکان سے سجائیں گے۔ ہر شے کو رنگ بدل بدل کر دکھائیں گے، دہی پھول عطر میں بسائیں گے کبھی ہار بنائیں گے کبھی طُرّے سجائیں گے کبھی اُنھیں پھولوں کی گیند بنا لائیں گے اور وہ گل بازی ہوگی کہ ہولی کے جلسے گرد ہوجائیں گے۔ ان خوش نصیبوں کو زمانہ بھی اچھا ملے گا ایسے قدر دان ہاتھ آئیں گے کہ ایک ایک پھول ان کا چمنِ زعفران کے مول بکے گا۔''

(دلّی کا دبستانِ شاعری، نورالحسن ہاشمی، ص 93)

04. انشاء کی شخصیت کی رنگارنگی

انشا کی ادبی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ پُرگو تھے اور بسیار گو بھی۔ انھوں نے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور اپنی جودتِ طبع، اپنی ذہانت و فطانت اور اپنی غیرمعمولی اہلیت و لیاقت سے بہت جلد اہلِ لکھنؤ کے دلوں پر اپنا سکّہ جمالیا۔ انشاء اللہ اپنی طبیعت سے بھی وارفتہ مزاج، عجلت پسند اور منھ پھٹ واقع ہوئے تھے۔ اس طرح کی طبیعت کو لکھنؤ میں اور جِلا ملی بلکہ کھُل کھیلنے کے ایسے مواقع ملے کہ بے احتیاطی، عاقبت نااندیشی، مستقبل کے خطرات سے لاپروائی کو انھوں نے روزمرّہ کا محاورہ بنا لیا۔ انھیں نہ تو سماجی اور اخلاقی قیود کا لحاظ رہتا تھا اور نہ صورتِ حال کی نزاکتوں کا احساس، جہاں جانا ڈنکے کی چوٹ جانا، جو کہنا بِلا تحفظ اور نڈر ہوکر کہنا۔ آزاد نے ان کی شخصیت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اردو شاعری کی تاریخ میں وہ پہلے Dadaist یا بوہیمین تھے۔ یہ وہ آزادی پسند لوگ تھے جن کے لباسوں، چال ڈھال، حرکت و سکنت میں بے ڈھنگاپن ہوتا تھا کوئی چڈّی پہنے ہوئے، آدھا سر منڈائے ہوئے یا آدھی مونچھ لیے بیٹھا ہے تو کسی کے سر پر اُلٹا کیپ ہے تو کوئی سرکس کے جوکروں کی طرح منھ کو رنگ دار کیے ہوئے ہے۔ انشا بھی کبھی مسخروں کا سوانگ بھر کر آدھمکتے، کبھی اپنے اوپر گہری سنجیدگی اوڑھ لیتے، بقول آزاد:’’کبھی دہلی کے بانکے نوجوانوں کے بھیس میں تو کبھی آدھی ڈاڑھی غائب، کبھی چار ابروؤں کا صفایا، جلسے میں ان کا بھانڈ کے آنے سے کم نہیں تھا۔‘‘

نورالحسن ہاشمی نے ان محفلوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ :

’’اس دور کے شعرا ء، نقال اور مسخرے پہلے تھے اور شاعر بعد کو۔ انشا اس میں سب سے زیادہ بدنام ہیں۔ اسی دربار داری کی بہ دولت شعراء میں آپس کے معرکے ہونے لگے یعنی مشاعرے کی صورت بگڑ کر مجادلے کی ہوگئی۔ آپس میں ہجو بازی اور اس سے گزر کر دھول دھپے تک کی نوبت پہنچنے لگی۔ مشہور ہے کہ انشا اور مصحفی کے معرکوں کے زمانے میں آصف الدولہ شکار کو گئے ہوئے تھے جب واپس ہوئے تو بڑے شوق سے وہ تمام ہجویں مکرر سنیں جو آپس میں ایک دوسرے پر کہی گئی تھیں۔ سُن کر مناسب انعام و اکرام دیے۔ دربار کا اثر یہ بھی ہوا کہ خیالات میں نفاست اور پاکیزگی کم ہوگئی۔ رنگینیوں میں فواحشات زیادہ برتے جانے لگے۔ ‘‘

(دلّی کا دبستانِ شاعری، ص 93-92)

نفسیاتی طور پر اگر انشا کے اس کردار کا تجزیہ کیا جائے تو ہم اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یا تو وہ فطری طور پر تلوّن مزاج، بے فکرے اور پارہ صفت تھے۔ ان میں تصنع اور بناوٹ کی کوئی لاگ لپٹ نہیں تھی۔ وہ جیسے تھے بس ویسا ہی ظاہر کرتے تھے یا پھر وہ اپنے عہد کے بگڑے ہوئے عمومی مذاق کا مذاق اُڑانے کی غرض سے اس طرح کے سوانگ بھرتے ہیں۔ ایک غیرمنظم معاشرے میں کسی اخلاقی نظم و ضبط کا تصور بھی محال ہے۔ جھوٹ نے ایک مستحکم قدر کی صورت اختیار کرلی تھی اور سچائی شرم کے مارے کہیں منھ چھپائے ہوئے پھر رہی تھی۔ نہ تو خواص کو اور نہ عوام کو نقصاناتِ عظیم کا کوئی احساس و ملال تھا اور نہ

حقیقت سے آنکھیں چار کرنے کا کسی کو یارا تھا۔ انشا دوسرے شعرا کے مقابلے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔ حقائقِ دنیا سے زیادہ آگاہ تھے۔ کئی زبانوں سے واقفیت تھی۔ زبان و قواعد کے زبردست پارکھ، افسانوی فن سے واقف، بلاغت و عروض کے علم پر قادر۔ ایک شخص جس کی اتنی بہت سی جہتیں ہوں پھر بھی علم ان میں انکسار نہیں پیدا کرسکا۔ وہ ہمیشہ ایک اکڑ میں رہے۔ کسی کو دوست بنانے میں دلچسپی ہوتی ہے اور کسی کو دشمن بنانے میں مزہ آتا ہے۔ انشا کا شمار انھیں لوگوں میں کرنا چاہیے جنھیں دنیا کی دشمنی عزیز تھی اور دنیا انھیں اپنے سر پر بٹھانے کے لیے تیار۔ لیکن انشا کسی کو کہاں خاطر میں لانے والے تھے۔ کہاں سعادت یار خان نے انھیں اپنے سر پر بٹھایا اور کہاں بے یار و مددگار چھوڑ دیا کہ دیکھو اگر جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ شبیہ الحسن بھی انشا کے کلام اور مشاہدات میں ایک بدامنی اور بدنظمی کی فضا کی موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شخصیت کی سیمابیت میں اس کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ:

> ’’اپنے عہد میں انشا ء کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا کہ وہ معاشرت کے رجحانات اور عوامی و درباری میلانات کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی بہت اچھی اہلیت رکھتے تھے۔ بڑے بڑے ادبی معرکوں میں ان کی جیت بھی اسی بنا پر ہوئی۔ انشا کی ساری کامیابی اسی میں تھی کہ وہ بے تابی میں مزید بے تابی، اضطرار میں مزید اضطرار اور بدامنی اور بدنظمی میں کچھ اور بدامنی اور بدنظمی پیدا کرسکتے تھے۔ فکری نراج اور تہذیبی بدامنی میں انشا کی شاعری

وقت کے تقاضوں اور سماجی رجحان کی ترجمان بن گئی تھی۔‘‘
(تنقید و تحلیل، ص 113)

05 ۔انشا کی ادبی شخصیت

انشا اپنے عہد کے دوسرے شعرا کے مقابلے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔ ان کےوالد مسلسل معاشی مسائل میں الجھے رہے اور پناہ گاہ کی تلاش میں سفر در سفر کرتے رہے لیکن انشا کی تعلیم کی طرف سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ انشا نے فارسی زبان پر قدرت حاصل کی، شاعری کا علم حاصل کیا۔ قواعد و لسان کی نزاکتوں اور باریکیوں سے واقفیت حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ پندرہ سولہ برس کی عمر میں ایک دیوان مکمل کرلیا تھا۔ ان کی شاعری کی زبان کو ہم غیررسمی زبان کہہ سکتے ہیں جس میں اردو، ہندی، مراٹھی، بنگالی، پنجابی، کشمیری، مارواڑی اور ترکی کے الفاظ کا بے محابا استعمال ملتا ہے۔ انشا نے اپنے والد کے ساتھ بنگال میں بھی کچھ عرصہ گزارا تھا، جہاں انھوں نے بعض مروّجہ انگریزی الفاظ بھی سیکھ لیے تھے جنھیں انھوں نے اپنے اشعار میں بھی استعمال کیا ہے۔انشاء نے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی تھی، علم النجوم سے خاص رغبت تھی، فنونِ سپہ گری میں کمال حاصل تھا۔ فقہ کا بھی خاص درک رکھتے تھے۔

انشاء کی ایک ضخیم کلیات بھی شائع ہوچکی ہے جو غزلوں کے علاوہ قصائد، مثنویوں، قطعات اور دیگر اصناف کے نمونوں پر مشتمل ہے۔ دریائے لطافت اور لطائف السعادت فارسی نثر میں اور ’رانی کیتکی کی کہانی‘ اور ’سلکِ گہر‘ اردو نثر میں ہیں۔ ’ترکی روزنامچہ‘ ترکی زبان سے ان کی رغبت کا مظہر ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی 1780 کی تصنیف ہے اس میں کنور اودے بھان اورکیتکی کے عشق کی داستان قلم بندکی گئی ہے۔ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے۔ زبان ہر طرح کے تصنّع اور آرائش سے پاک ہے۔ تفصیلات کے بجائے ہر سطح پر اختصار کو ترجیح دی گئی ہے۔ انشا جیسے شوخ و شنگ انسان کی آزادہ روی کا یہاں نام و نشان نہیں ملتا۔ کردار داستانی یا نیم تاریخی ہونے کے باوجود انسانی عنصر کے حامل ہیں۔ پلاٹ میں بھی برجستگی اور نظم و ضبط کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ پروفیسر احتشام حسین نے انشا کے علم و فضل اور مسخرگی کے تضاد پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ:

’’شاعری کی حیثیت سے دیکھا جائے تو انشا کا شمار بڑے شاعروں میں ہوگا۔ ان کی کچھ غزلیں فن اور اظہار واردات کے لحاظ سے تغزل سے بھرپور ہیں۔ لیکن اکثر مقامات پر سوز و گداز کی کمی ہے۔ خیالات میں تازگی اور بیان میں ندرت کے باوجود وہ شاعری کو زندگی کا اہم ترین مشغلہ نہ بناسکے۔ ان کے علم کے تقاضے قصیدوں میں ضرور پورے ہوتے ہیں جہاں وہ مشکل زمینوں، عالمانہ خیالوں اور بھاری بھرکم ترکیبوں سے قصیدے کی فضا پیدا کرلیتے تھے۔ مثنویوں میں بھی خوشگوار کیفیتیں ملتی ہیں اور نظم نگاری کی قدرت کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے شاعری کو درباری دلچسپیوں کی چیز بنا دیا۔ وہ شاعری نہ کرتے تو اپنے علم و فضل کا اظہار سنجیدہ تصانیف میں کرسکتے تھے اور اگر دربار سے وابستہ نہ ہوتے تو شاعری اس طرح بے راہ رو نہ ہوتی۔‘‘

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ: سید احتشام حسین، ص 90)

06. دبستانِ لکھنؤ اور انشا

دبستانِ لکھنؤ کسی باقاعدہ اور منظم تحریک کا پیدا کردہ اسکول کا نام نہیں ہے۔ تاریخ کے ہر چھوٹے یا بڑے دور کا ایک عصری مزاج ہوتا ہے جس کے ذریعے ہم اس دور کی تہذیبی زندگی کی شناخت کرتے ہیں۔ تہذیبی زندگی اس دور کی معاشرت اور اس دور کے عمومی طرزِ احساس کی بھی مظہر ہوتی ہے۔ دہلی کی بساط الٹ رہی تھی اور کافی حد تک الٹ چکی تھی لیکن ادب و شعر کے دامن کو جس طرح دہلی کے شعرا نے وسعت بخشی تھی اس کے مقابلے میں کوئی اور شہر مشکل ہی سے ٹھہر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ لکھنؤ یا اودھ کی سرزمین بھی دہلی کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ انگریزوں نے دہلی کی مرکزیت کو توڑنے کی خاطر لکھنؤ میں نئی بادشاہت کا بیج بودیا۔ لکھنؤ کے حکمرانوں نے اسے بہت بڑا اعزاز سمجھا اور ایک نئی سلطنت وجود میں آ گئی۔ سب سے پہلے شجاع الدولہ نے دب و فن کی سرپرستی کی۔ مختلف علاقوں سے شعرا، فن کار اور صنّاع اودھ میں جمع ہونے لگے۔ ایک نئے ثقافتی مرکز کی تشکیل کی یہ شروعات تھی۔ آصف الدولہ نے زمامِ حکومت سنبھالتے ہی فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو مرکزی حیثیت تفویض کردی۔ دہلی کے لُٹے پٹے شعرا کے لیے اس سے بڑی اور کیا پناہ گاہ ہوسکتی تھی۔ آصف الدولہ نے علوم و فنون اور شاعری کی جس طور پر قدرافزائی اور سرپرستی کی اور فیاضی دکھائی، وہ مغل حکمرانو نکی روایت کی یاددلاتی ہے۔ آصف الدولہ خود بھی شاعر تھے، علم و فن کی گہری فہم رکھتے تھے، فارسی اور اردو زبان میں سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔

نئی پناہ گاہ کی تلاش میں جن جن شعرانے دہلی کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ کی طرف رخ کیا ان میں جرأت، مصحفی، میر ضاحک اور میر حسن کے علاوہ انشاء اللہ خاں انشا بھی تھے۔ ان شعرا کے مذاقِ سخن کی تربیت دہلی میں ہوئی تھی لیکن بہت کم وقت میں انھوں نے لکھنؤ کی نئی چمچماتی اور جگمگاتی تہذیبی زندگی کے سانچے میں خود کو ڈھال لیا۔ امراء اور حکمراں کے مذاق کے مطابق انھوں نے شاعری کی، ان کی خوشنودی کو اپنے طرزِ عمل میں سب سے اوّل درجے پر رکھا۔ فحاشی، بدکلامی، طنز، ہجو، یاوہ گوئی، چھینٹاکشی، فقرہ کشی، چٹکلے بازی، ادبی مجلسوں کا روزمرّہ بن گئی۔ انشا جو ماہرِ لسان اور کئی علوم و فنون میں دستگاہ رکھتے تھے۔ اپنی ذہانت کو صحیح راہ نہیں دکھا سکے۔

انشا نے پھکّڑپن پر اپنے علم و فضل کو قربان کردیا۔ ان کے تصورِ عشق میں سنجیدگی ہے اور نہ تہذیب نفس اور پاکیزگئ نفس کی ان کے نزدیک کوئی قدر تھی۔ معاملہ بندی کے جوہر دکھانا، محبوب سے چھیڑ چھاڑ کرنا، اس کے ناز و نخرے اٹھانا اور اس پر سو سو طریقے سے چوٹ کرنا، اُسے ہمیشہ ایک سامانِ عیش اور وصل کو اصلِ حیات سمجھنا۔ جن کی ایک ایک اَدا پر مَر مٹنا اور اکڑ دکھانا وغیرہ۔ اس طرح کی صورتیں انشا کی لذت پسند طبیعت کی مظہر ہیں اور شاعری کا یہی شوخ و شنگ رنگ لکھنوی حکمرانوں کی خاص پسند تھا۔ انہی صورتوں نے دبستانِ لکھنؤ کی ابتدا میں خاکہ آرائی کی۔ انشا کے عشق میں جنسیت کا پہلو حاوی ہے۔ وہ عشق و جنسیت میں توازن پیدا نہیں کرسکے۔ عشق ایک اعلیٰ انسانی جذبے کے طور پر ان کی شاعری میں نمو نہیں پاتا بلکہ اس کے حدود بوالہوسی سے جاملتے ہیں۔ سید شبیہ الحسن کا یہ خیال تو درست ہے کہ انشا کی غزلوں میں جنسیت افراط کے ساتھ موجود ہے لیکن وہ انسانی عنصر سے

خالی ہے۔ یہ کہنا غلط ہے۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی عنصر کو انھوں نے تہذیب نفس کا سبق نہیں سکھایا۔ ان کی شاعری میں عاشق پورا انسان ہے مثالی قطعاً نہیں معشوق بھی پورا انسان ہے اور اس کے سارے ناز و ادا، خالص انسانی ہیں۔ لیکن عاشق میں صبر و استقلال نہیں ہے۔ وہ گلی کوچے کا پھکّڑ عاشق معلوم ہوتا ہے جسے اپنی آبرو کا لحاظ ہے نہ سوسائٹی کی قدروں کا پاس۔ سیہ شبیہ الحسن آگے چل کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

> ''ان کے یہاں عشق ذہنی کیفیت یا دلی واردات نہیں ہے بلکہ ایک بیرونی حقیقت (Externality) ہے یا فن بدیع کی کوئی صنعت جسے غزلوں میں استعمال کرلیا جاتا ہے وہ عشق کی وجہ سے غزلیں نہیں کہتے بلکہ غزلیں کہنے کے لیے عشق کا استعمال کرتے ہیں اسی لیے ان کے مشاہدات سپاٹ قسم کے ہیں ان کی غزلوں میں ا یک ہیجانی کیفیت کے باوجود گرمی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ ان کے احساسات ٹھٹھرے ہوئے ہیں جنھیں وہ اپنی طبیعت کی تیزی، زبان و بیان کے زور و شور اور قافیہ کی غرض میں گر می کے ساتھ بٹھا کر کچھ حرارت پیدا کرلیتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں کوئی اندرونی گرمی نہیں موجود ہے جو کچھ گرمی ہے وہ اوپر سے سینک کر پہنچائی گئی ہے۔'' (تنقید و تحلیل، ص -120 (21

دراصل ریختی کے طرز میں معشوق سے جس طرح نوک جھونک کی جاتی ہے، عورتوں میں مروّجہ محاوروں کا استعمال کیا جاتاہے۔ انشا نے اپنی غزلوں میں ریختی کے اس رنگ سے ایک

نیا اسلوب وضع کرنے کی کوشش کی۔ یہ وضع تو قائم ہوگئی لیکن یہ وضع شاعری کا کوئی سنجیدہ تصور فراہم نہیں کرسکی اور نہ اس میں زندہ روایت بننے کی قوت تھی:

ٹَک قیس کو چھیڑ چھاڑ کر عشق — لپٹا مجھے پنجے جھاڑ کر عشق

ہے ہے انشا ہمارے دل کو — بے طرح گیا لتاڑ کر عشق

—

اسبابِ کائنات سے بس ہوکے بے نوا — انشا نے انتخاب کیا جام اور عشق

—

جھڑکی سہی ادا سہی چیں برجبیں سہی — سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

—

ہم نہیں ڈرنے کے ان باتوں سے پیارے — اور غل کر اور چلّا اور تو یہ دھاڑ کر

—

تنہا نہ ہم ہی در سے ترے لگ رہے ہیں اور بھی کھڑے پسِ ہیں
یار دیوار چار پانچ

07. انشا کی زبان

شعری زبان کی کوئی علیحدہ سے لغت نہیں ہے۔ ہر شاعر اپنی شعری زبان خود خلق کرتا اور اپنے اظہار کی ایک الگ راہ نکالنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ زبان کو برتنے کے طریقے بھی یکساں نہیں ہوتے۔ میرتقی میرا ور ناسخ یا غالب اور ذوق کی زبان میں جو فرق ہے وہ ان کے زبان کو برتنے کے اپنے اپنے طریقوں کا فرق ہے۔ میر تقی میر کی زبان میں جو غیررسمی پن، بے تکلفی، سادگی اور بے خوفی ہے وہ ناسخ کے یہاں نہیں ملے گی کیونکہ ناسخ کی زبان میں شعور کا دخل زیادہ ہے۔ وہ ایک ایک لفظ کو جانچتے، پرکھتے اور پھر اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں بے تکلّفی نہیں پائی جاتی۔ ایک اعتبار سے انشا نے میر تقی میر کی روایت ہی کی توسیع کی ہے۔ ان کی شعری لغت کا دائرہ بہت وسیع ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ تغزّل آمیز زبان کو غزل کی معیاری زبان ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سبک و شیریں الفاظ کے تصور ہی کے وہ منافی ہیں۔ کوئی لفظ نہ تو سبک و شیریں ہوتا ہے اور نہ اکھّڑ، اُجڈ، کھردرا اور دُرشت۔ شعر میں لفظ متن کے تقاضوں کے مطابق عمل میں آتا ہے۔ انشا ظاہری چمک دمک، ترصیع و تصنع کے قائل نہیں۔ وہ اپنے جذبوں ہی میں بے دھڑک نہیں ہیں۔ زبان کے معاملے میں بھی بے دھڑک ہیں۔ آج کے دور میں ہم لسانی شکست و ریخت کی بات کرتے ہیں۔ دراصل اس روایت کے سِرے انشا سے جاملتے ہیں۔ اس لحاظ سے انشا کی شاعری ہمیں ازسر نو

اور معروضی طور پر لسانی مطالعے کا تقاضہ کرتی ہے۔ انشا کی شعری زبان کے چند نمونے دیکھیے:

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کُنڈ پر — اَوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھُنڈ پر

—

لیکے میں اوڑھوں، بچھاؤں یا لپیٹوں کیا — روکھی پھیکی ایسی سوکھی مہربانی آپ کی کروں

—

بدکیف یاں تلک ہے کہ اس کی گلی کے بیچ — گاہے صدا سُنی نہ بجُز مار دھاڑ بندھ

—

ہم نہیں ڈرنے کے ان باتوں سے پیارے شوق سے — اور غُل کر اور چِلّا اور تو یہ دھاڑ کر

—

کیا قحطِ خوبرویاں عالم میں پڑگیا — گٹھ جائیں گے ابھی ہم اک

ہے اور ہی پری سے

—

انشا نہ شاید آیا ہو اس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہے

—

درمیکدہ سے آئی مہک ایسی ہے کہ پچھاڑ کھاکے گرا واں دل مزے کی تشنہ کام اُلٹا

ہے نامِ خدا، وا چھڑے، کچھ زور تماشا، یہ آپ کی رنگت گات ایسی غضب، قہر پھبن اور جھُمکڑا، اللہ کی قدرت آئے جو میرے گھر میں وہ شب راہِ کرم سے، میں موند دی کُنڈی مُنہ پھیر لگے کہنے تعجب سے کہ یہ کیا؟ ایں تیری یہ طاقت لے برق کی زنجیر کو ٹک سونڈ میں اپنی، اے ابر کے ہاتھی سیندور لگا ماتھے پہ اِس رنگ شفق کا باعظمت و شوکت

ان اشعار میں انشا نے علاقائی بولیوں کے الفاظ کا بے محابا استعمال کیا ہے۔ مُلّا کُنڈ، روکھی سوکھی مہربانی، ماردھاڑ باندھ، دھاڑ، گٹھ جانا، بھیڑ بھاڑ، پچھاڑ کھاکے گرنا،واچھڑے، گات، جھُمکڑا، کُنڈی کا موند دینا، سونڈ وغیرہ الفاظ میں بڑی کرختگی ہے۔ یہی کہا جائے گا کہ انشا نے ان کڈھب الفاظ کا ستعمال کرکے غزل کا مذاق اڑایاہے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انشا ماہرِ لسان تھے انھوں نے روایتی شعری زبان کا بھی بھرپور استعمال کیا ہے، لیکن نامانوس اور اجنبی الفاظ کو ترجیح دے کر انھوں نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ شاعری کی کوئی بھی زبان معیاری نہیں ہوتی۔ شعری زبان اسی وقت ثروت مند ہوسکتی ہے جب ہم اسے کسی محدود دائرے میں قید نہیں کریں گے۔

08۔ انشا کا داستانی مزاج

انشا نے دہلی سے کیا کوچ کی، دہلی کے ہر رنگ کو وہیں چھوڑآئے اور اپنی شخصیت اور شاعری کو لکھنؤ کے تہذیبی سانچے میں پوری طرح ڈھال لیا۔ انشا اپنی شاعری میں ہمیں ایک ایسی دنیا میں بار بار لے جاتے ہیں جسے ہم بچپن سے قصے کہانیوں میں سنتے آئے ہیں۔ ان کی غزل میں کسی عام انسانی محبوب کا سراپا کم کسی پری کا سراپا زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ پری کی خوُبوٗ خد و خال، ناز و انداز، چال ڈھال میں وہ ہو بہو انسانی پیکر ہے لیکن انشا اسے پری کے نام سے خطاب کرتے ہیں اور وہ بھی داستانی کوہ قاف کی پری، جو اکثر ہماری داستانوں اور مثنویوں میں ایک اہم کردار بھی ادا کرتی ہے۔ سید شبیہ الحسن اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ”انشا کو لکھنؤ میں وہ سب کچھ مل گیا جس کی انھیں تلاش تھی۔ انھوں نے بھی لکھنؤ کو وہ سب کچھ دے ڈالا جو اس وقت اسے چاہیے تھا۔ لکھنؤ کی

ساری رومانیت انشا کی شخصیت میں آسانی سے تحلیل ہوگئی اور وہ جلد ہی لکھنؤ کا ایک جسمانی تصور بن گئے۔ انشا نے لکھنؤ کو پریوں والی شاعری دی اور لکھنؤ نے اُس کو زندگی دی۔ ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ اگر لکھنؤ نہ ہوتا تو انشا یا تو آغاز جوانی ہی میں مرجاتے یا پھر اخیر عمر میں پاگل ہونے کے بجائے زندگی بھر پاگل رہتے۔''

(تنقید و تحلیل، ص 126)

انشا ہی نے فوق الفطری عناصر پر اپنے شعر کی اساس نہیں رکھی۔ فسانۂ عجائب، سحرالبیان، گلزارِنسیم وغیرہ میں اسی قسم کی نامانوس دنیائیں خلق کی گئی ہیں۔ جو نشاط انگیز بھی ہیں اور لذت اندوز بھی:

سایہ میں تیری زلف کے میں آگیا کہ تھی
واں جا گرفتہ ایک پری ہر شکن کے ساتھ

—

کیوں نہ ہوں ہر گل کے جوڑے آج افشاں باغ میں
مِل کے ہولی کھیلتی ہیں آج پریاں باغ میں

—

نگہ ہے اِس پری کی سحر چتون
معاذ اللہ دیکھے جو اُدھر کس

ایک آفت ہے کی یہ طاقت ہے

09. انشا کا داخلی رنگ

اس میں کوئی شک نہیں کہ انشا کا بیشتر کلام خارجی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہیں سراپانگاری ہے کہیں کنگھی چوٹی، نوک جھونک، لڑائی جھگڑا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انشا کا قلم داخلی جذبوں کے اظہار کے فن ہی سے ناواقف ہے۔ لیکن یہ پورا سچ نہیں ہے۔ انشا طرب انگیز لمحوں کی تلچھٹ تک پی جانے کے لیے بے تاب رہتے ہیں لیکن الم انگیز لمحے بھی جب وارد ہوتے ہیں تو ان کے کلام میں ایک سوز ایک جلن کی کیفیت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ دنیا کے سارے عیش ازلی ہیں نہ ابدی انھیں بھی زوال کا منھ دیکھنا پڑتا ہے۔ بے ثباتیِ دنیا کا محض احساس ان کی شاعری میں مضمون نہیں بنتا، اس میں شدت بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے یہ آواز ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھری ہے۔ یہاں معاملہ بندی ہے، نہ رعایتِ لفظی نہ قافیہ پیمائی کا رنگ۔ شاعر کی شخصیت کے اس پہلو سے ہم متعارف ہوتے ہیں جو شوخی و مزاح کے گہرے گاڑھے رنگوں میں دب سا گیا ہے:

پھر کچھ گئے ہوؤں کی مطلق خبر نہ پائی — کیا جانیے کدھر کو جاتا یہ قافلہ ہے

—

نہ چھیڑ نکہتِ بادِبہاری راہ — تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم

لگ اپنی بیزار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں
کوئے تمنّا میں لاچار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں
دیتی ہے سُنا انشا دوچار بیٹھے ہیں

—

خوابِ عدم سے شور جنوں انشا بس اور نیند کہاں خوب
نے جگا دیا سوچکے

—

ہے خوشی سب طرح کی خطرۂ انقلاب باقی ہے
ناحق کا

—

خیالِ ہستی موہوم دل سے سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس
دور کر انشا پر آہ غافل ہے

10۔خلاصہ(Summary)

انشا کی شاعری کے کئی رنگ ہیں۔ سب سے گہرا رنگ ان کی طبیعت کی شوخی، والہانہ انداز، زندہ دلی اور لذّت پسندی سے قائم ہوتا ہے۔ وہ دہلی سے لکھنؤ آئے اور لکھنؤ کی تہذیبی زندگی میں پوری طرح رچ بس گئے۔ دبستانِ لکھنؤ کو دبستانِ لکھنؤ بنانے میں ان کا بھی ایک بڑا حصہ ہے۔ انھوں نے مشکل زمینوں میں غزلیں کہیں، تغزّل کی زبان کو لائقِ اعتنا نہیں سمجھا، زبان کی صفائی، محاورے کی برجستگی، تشبیہات کی رنگارنگی اور معاملہ بندی سے ان کی غزل کی تعمیر ہوئی ہے۔ بے تکلفی اور بے محابا پن اسے اور زیادہ غیررسمی بنا دیتا ہے۔ انشا کا عشق بھی جنسیت سے عاری نہیں ہے۔ اگرچہ وہ پریوں کے حُسن پر جان و دل سے قربان ہیں لیکن ان کی پری انسان ہی ہے۔ انشا جمال پرست واقع ہوئے تھے اور ان کی غزلوں کا ایک خاص رنگ ان کی سراپانگاری سے ظاہر ہوتا ہے۔ انشا کے یہاں کہیں کہیں داخلی رنگ بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔ انھیں اداس ہونا بھی آتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا احساس انھیں بھی ملول کرتا ہے۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کا احساس ان کے یہاں بھی اکثر شدت کے ساتھ ابھر آتا ہے۔ گویا انشا کی شاعری محض طرب ہی طرب نہیں ہے الم کا رنگ بھی اس میں شامل ہے۔ سید شبیہ الحسن کا خیال ہے کہ ''غم و نشاط کی یہ متضاد تصویریں درباری اُتار چڑھاؤ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔''

11۔ (الف) موضوعی (Subjective)سوالات

(i) انشاء اور ان کے عہد پر اظہار خیال کیجیے۔

(ii) انشا کی ادبی شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیجیے۔

(iii) دبستانِ لکھنؤ اور انشا کے رشتے کے موضوع پر وضاحت کے ساتھ لکھیے۔

(iv) انشا کی زبان کی انفرادیت کیا ہے؟

(ب) معروضی (Objective) سوالات: (صحیح کی نشاندہی کیجیے):

(i) انشا نے دہلی میں کتنے برس گزارے تھے؟

(الف) 18 (ب) 19

(ج) 20 (د) 21

(ii) انشا نے غزل میں کسے لایقِ اعتنا نہیں سمجھا؟

(الف) شوخی (ب) تغزّل

(ج) مزاح (د) والہانہ پن

(iii) آصف الدولہ سے پہلے اودھ میں کسے مرکزیت حاصل تھی؟

(الف) لکھنؤ (ب) ملیح آباد

(ج) فیض آباد (د) مرشد آباد

(iv) کس نے دہلی کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ کا رُخ نہیں کیا؟

(الف) میر ضاحک (ب) میر حسن

(ج) انشا (د) شیفتہ

(ج) صحیح /غلط (True/False) کی نشاندہی کیجیے

(i) آصف الدولہ سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ (صحیح/غلط)

(ii) انشا نے عشق و جنسیت میں توازن پیدا کیا۔ (صحیح/غلط)

(iii) ہر شاعر اپنی زبان خود خلق کرتا ہے۔ (صحیح/غلط)

(iv) شعر میں لفظ متن کے تقاضوں کے مطابق عمل میں نہیں آتا۔(صحیح/غلط)

(د) خالی جگہو ں کو پر کیجیے(Fill in the blanks)

(i) انشا جب لکھنؤ پہنچے تو مصحفی اور..... دربار سے وابستہ تھے۔

(ii) انشا ایک منفرد شاعر، نثر نگار اور..... تھے۔

(iii) انشا نے تقریباً ہر ..... میں طبع آزمائی کی۔

(iv) انشا کا شمار انھیں لوگوں میں کرنا چاہیے جنھیں دنیا کی..... عزیز تھی۔

12۔ (الف) اہم بنیادی الفاظ کے معانی (Glossary)

شریف الطرفین والد، والدہ دونوں طرف سے اعلیٰ خاندان

گرویدہ پرستار

مصاحبت صحبت

انجمنِ ساز انجمن سجانے والے

مرقع تصویر

شکست و ریخت ٹوٹ پھوٹ

★ (ب) موضوع سے متعلق نیٹ پر مواد دستیاب نہیں ہے۔

13 (ج) موضوع سے متعلق ضروری،حوالہ جاتی کتابوں کی فہرست

- تنقید و تحلیل سید شبیہ الحسن
- اردو کی مختصر تاریخ ادب انور سدید
- تاریخِ ادب اردو (جلد اوّل) سیدہ جعفر
- اردو ادب کی تنقیدی تاریخ احتشام حسین

14 ۔ معروضی سوالات کے جوابوں کی نشاندہی

(i)الف (ii) ب (iii) ج (iv) د

15 . صحیح،غلط کی نشاندہی

(i) صحیح (ii) غلط (iii) صحیح (iv) غلط

16 . خالی جگہوں میں پُر کیے جانے والے الفاظ کی نشاندہی

(i) جرأت (ii) قواعد نویس (iii) صنف (iv) دشمنی

O